امام ابن تیمیہ
صاحب السیف و القلم

سید فضل احمد شمسی

علامہ شبلی رقمطراز ہیں:

'اسلام میں سینکڑوں، ہزاروں، بلکہ لاکھوں علماء، فضلاء، مجتہدین، ائمہ فن، مدبرین ملک گزرے ہیں۔ لیکن مجدد یعنی رفارمر بہت کم پیدا ہوئے۔ ایک حدیث ہے کہ ''ہر صدی میں ایک مجدد پیدا ہوگا''۔ اگر یہ مشتبہ حدیث مان لی جائے تو آج تک کم از کم تیرہ مجدد پیدا ہونے چاہئیں، لیکن اس حدیث کے صادق آنے کے لئے جن لوگوں کو مجدد دین کا لقب دیا گیا ان میں سے اکثر معمولی درجہ کے لوگ ہیں۔ یہاں تک کہ علامہ سیوطی بھی اس منصب کے امیدوار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے مجدد کے رتبہ کا اندازہ نہیں کیا۔

مجدد یا رفارمر کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں:۔

۱۔ مذہب یا علم یا سیاست میں کوئی مفید انقلاب پیدا کردے۔

۲۔ جو خیال اس کے دل میں آیا ہو کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو، بلکہ اجتہاد ہو۔

۳۔ جسمانی مصیبتیں اٹھائی ہوں، جان پر کھیلا ہو، سر فروشی کی ہو۔

یہ شرائط قدماء میں بھی کم پائے جاتے ہیں اور ہمارے زمانے میں تو رفارمر ہونے کے لئے صرف یورپ کی تقلید کافی ہے۔

تیسری شرط اگر ضروری قرار نہ دی جائے تو امام ابو حنیفہ، امام غزالی، امام رازی، شاہ ولی اللہ صاحب اس دائرہ میں آسکتے ہیں۔ لیکن جو شخص

رفارمر کا اصلی مصداق ہو سکتا ہے وہ علامہ ابن تیمیہ ہے۔ ہم اس بات سے واقف ہیں کہ بہت سے امور میں امام غزالی وغیرہ کو ابن تیمیہ پر ترجیح ہے لیکن وہ امور مجددیت کے دائرے سے باہر ہیں ۔ مجددیت کی اصلی خصوصیتیں جس قدر علامہ کی ذات میں پائی جاتی ہیں اس کی نظیر بہت کم مل سکتی ہے۔،

علامہ شبلی نے قدرے غلو سے کام لیا ہے۔ لیکن انھوں نے جو خصوصیات ایک مجدد کے لئے لازمی قرار دی ہیں بلاشبہ وہ امام صاحب کے یہاں پائی جاتی ہیں ۔ آپ نے مذہبی اور علمی انقلاب بپا کیا، جو کچھ کہا اور لکھا اپنے طور پر اور اپنے اجتہاد کی بنیاد پر کہا اور لکھا، اور اپنی ساری عمر قید خانے کی کال کوٹھری ، جہاد فی سبیل اللہ میں میدان جنگ، اور مسجد کے منبر سے وعظ و تلقین میں گذار دی ۔ امام ابن تیمیہ کی شخصیت دنیائے اسلام کی ایک عجیب و غریب شخصیت ہے ۔ حیرانی کی بات ہے کہ ایک ہی شخص کبھی شمشیر بکف دشمنوں کی صف میں مصروف قتال نظر آتا ہے، کبھی کسی آیت ربانی کی تفسیر میں ایسے ایسے نکتے بیان کر رہا ہے جو سامعین کو انگشت بدنداں کئے دیتے ہیں ، کبھی شاہ قبرص سے مسلمان قیدیوں کو چھڑوانے کے لئے ایسا مکتوب ارسال کر رہا ہے جو مسلم ۔ عیسائی تعلقات کے ایک تاریخی خاکہ کی نوعیت اختیار کر لیتا ہے ، کبھی امام لغت سیبویہ کی اس کتاب میں جسے عرب ”الکتاب“ گردانتے ہیں ۸۰ غلطیوں کی نشاندہی کر تا ہے ، کبھی قضاۃ کو منشائے ارباب حل و عقد کی خلاف ورزی اور غلط فیصلہ کرنے کے درمیان انتخاب سے بچانے کے لئے اپنے آپ کو قید خانے میں پھینکے جانے کے لئے پیش کر دیتا ہے، اور کبھی فلسفہ یونان و منطق ارسطو کی دھجیاں بکھیرتا نظر آتا ہے۔

حران دنیائے عرب کا ایک مشہور مقام ہے۔ یہ اس خطہ میں جسے عرب

جغرافیہ نویس "الجزیرة" کہتے ہیں رہا (یعنی Edessa) اور راس العین کے درمیان واقع ہے۔ طول البلد تقریباً ۳۹ درجہ مشرق اور عرض البلد تقریباً ۳۷ درجہ شمال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ طوفان نوح کے بعد سب سے پہلا شہر جو زمین پر آباد کیا گیا وہ حران ہے۔

زمانہ قدیم میں یہاں صابیوں کا مسکن تھا۔ صابی خدا کی ہستی کے قائل تھے لیکن خدا اور مخلوق کے درمیان کواکب و افلاک کو وسیلہ بناتے تھے اور ان کو اپنا پالنہار جانتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ دنیا کا سارا نظام انہی کے سہارے قائم ہے۔ المسعودی، صاحب مروج الذہب، کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں باب الرقہ کے قریب صابیوں کا ایک ہیکل تھا جسے سیدنا ابراهیم علیہ السلام کے والد آزر نے بنایا تھا۔ ۱۷ھ میں حضرت سعد ابن وقاص کی سرکردگی میں یہ شہر فتح ہوا اور اس وقت سے اب تک دنیائے اسلام کا ایک مرکز ہے۔ یہی وہ شہر ہے جسے تقی الدین ابو العباس احمد ابن شہاب الدین عبدالحلیم ابن مجدالدین ابو البرکات عبدالسلام ابن عبداللہ معروف بہ امام ابن تیمیہ کی جائے پیدائش ہونے کا فخر حاصل ہوا۔

خاندان:

امام ابن تیمیہ سے قبل ان کے کئی بزرگ اسی عرف سے مشہور ہوئے ہیں۔ آپ کے دادا کے دادا ابو القاسم الخضر ابن محمد پہلے بزرگ ہیں جو ابن تیمیہ کہلائے۔ ان کے متعلق تذکروں میں آیا ہے کہ وہ بہت بڑے زاہد و عابد تھے۔ ان کے ایک صاحبزادے ابو عبداللہ محمد ابن الخضر ابن تیمیہ، جن کا لقب فخرالدین ہے اور جو امام ابن تیمیہ کے دادا کے حقیقی چچا اور دادی کے والد تھے، اپنے دور کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ یہ حران میں ۵۴۲ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۶۲۲ھ میں انتقال فرمایا۔ فخرالدین محمد ابن تیمیہ نے کئی کتابیں اور رسالے تحریر کئے تھے۔ ایک قول کے مطابق

ان کی تفسیر قرآن تیس جلدوں میں تھی۔ ان کتابوں اور رسائل کے حوالے تو تذکروں میں پائے جاتے ھیں لیکن افسوس ھے کہ وہ خود اب نایاب ھیں۔

اس خاندان کے دوسرے بڑے عالم امام ابن تیمیہ کے دادا مجدالدین ابوالبرکات عبدالسلام ابن تیمیہ ۵۹۰ھ میں حران میں تولد ھوئے اور وھیں ۶۵۲ھ میں وفات پائی۔ یہ بڑے پایہ کے بزرگ و عالم دین تھے۔ عربی ادب، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اور حساب و الجبرا پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ اور فقہ کے امام مانے جاتے تھے۔ محی الدین ابن الجوزی کی طرف یہ بیان منسوب ھے کہ ان کے زمانہ میں بغداد میں ان کے پایہ کا کوئی عالم نہیں تھا۔ آپ کی کئی تصانیف ھیں جن میں سے دو کا ذکر یہاں بے محل نہ ھوگا۔ مسند امام احمد ابن حنبل اور صحاح ستہ کی حدیثوں کو المنتقی من احادیث الاحکام میں فقہی ابواب پر مرتب کیا۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ھوئی کہ مختلف صدیوں میں علماء نے اس کی تعلیقیں اور شرحیں لکھیں۔ مثلاً محمد ابن مفلح الحنبلی المتوفی ۷۶۳ھ نے اس کی ایک تعلیق لکھی۔ لطف اللہ الحجاف المتوفی ۱۲۴۳ھ نے ایک مختصر شرح لکھی۔ امام شوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ نے ایک مفصل شرح لکھی جو آٹھ جلدوں میں مصر سے شائع ھوئی ھے۔ ان کی ایک اور تصنیف المحرر فی الفقہ کی بھی ایک شرح پائی جاتی ھے۔ مجدالدین ابن تیمیہ کے سینکڑوں شاگرد تھے جنمیں سے ایک درجن سے زائد ایسے ھیں جنھوں نے خود اپنے کمالات کے باعث شہرت حاصل کی۔ ان میں ان کے صاحبزادے شہاب الدین ابوالمحاسن عبدالحلیم ابن تیمیہ کا بھی شمار ھے۔ آپ ۶۲۷ھ میں حران میں پیدا ھوئے اور ۶۸۲ھ میں دمشق میں فوت ھوئے۔ حران میں آپ جامع حران کے خطیب تھے (یہ خطابت اس خاندان میں فخرالدین ابن تیمیہ کے زمانہ سے مستقل چلی آرھی تھی) لیکن جب ۶۶۷ھ میں تاتاریوں کی اس علاقہ میں یورش ھوئی تو حران والوں نے

پورا شہر خالی کر دیا۔ عبدالحلیم ابن تیمیہ اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ دمشق چلے گئے۔ یوں تو گھر کا ضروری سامان تک نہ لے جا سکے لیکن اپنا پورا آبائی کتب خانہ کسی نہ کسی طرح بچا کر لے گئے۔ دمشق میں دارالحدیث السکریۃ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ علاوہ ازیں ہر جمعہ کو دمشق کی جامع مسجد یعنی مسجد اموی کے منبر سے وعظ دیتے تھے۔ آپ مذہبی علوم کے علاوہ حساب، ھندسہ اور الجبرا میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے کئی کتابیں تالیف کی تھیں لیکن اصول فقہ کی ایک تعلیق کے سوا سب نایاب ھیں۔ اس معروف و ممتاز علمی گھرانے میں تقی الدین احمد ابن تیمیہ ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔

سیاسی پس منظر:

ساتویں صدی ھجری کا زمانہ مسلمانان وسطی ایشیا کے لئے بڑا ھی پر آشوب اور اندوھناک گزرا ھے۔ اس دور میں تاتاریوں کا ایک زبردست ریلا آیا جس میں پانصد سالہ عباسی خلافت خس و خاشاک کی طرح بہ گئی۔ مسلم ریاستوں کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں، بہت سے شہر اور تجارتی منڈیوں نے ویرانے کا روپ اختیار کرلیا۔ بے شمار جانی و مالی نقصان ھوا۔ سب سے پہلے چنگیز خان (دور حکومت ۵۹۹ھ تا ۶۲۴ھ) نے ان تاتاریوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور خوارزم شاھی جیسی عظیم سلطنت کے پرخچے اڑا دئے۔ اس کے پوتے منگو خان کے عہد میں موخرالذکر کے بھائی ھلاکو خان نے ۶۵۶ھ میں مدینۃ السلام بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ھلاکو کے سپہ سالار کتبغانوین کی سرکردگی میں تاتاری افواج نے ۶۵۸ھ کے اوائل میں ملک شام کو روند ڈالا۔ اس سال صفر کے ماہ میں دمشق پر بڑی آسانی سے قبضہ کر لیا اور لوٹ مار کرتی ہوئی شام کی جنوبی سرحدوں تک پہنچ گئیں۔ سلطان مصر الملک المظفر سیف الدین قطز ایک زبردست لشکر کے ساتھ مصر سے روانہ

ہوا اور شام کے علاقہ میں ''عین جالوت،، کے مقام پر تاتاریوں سے معرکہ آرا ہوا۔ زبردست جنگ ہوئی لیکن ایک مسلم امیر سید جمال الدین شمسی نے دشمنوں کی صف میں گھس کر کتبغانوین کا ہی قصہ تمام کردیا جس سے تاتاریوں کے قدم اکھڑ گئے اور انھیں بری طرح شکست ہوئی۔ اس کے باوجود اسلامی شہروں پر تاتاری حملوں کا سلسلہ نہ ٹوٹا۔ ۶۶۳ھ میں اباقا ہلاکو کا جانشین ہوا۔ ادھر ۶۵۸ھ میں الملک الظاہر کے لقب سے امیر رکن الدین بیبرس بند قداری تخت مصر پر آیا۔ اگلے سال ایک عباسی شہزادے ابو القاسم کو المستنصر باللہ کے لقب سے خلیفہ بنا دیا گیا لیکن اصل حکومت سلطان ہی کی رہی۔ ۶۶۰ھ میں المستنصر کے مارے جانے کے بعد ابو العباس احمد ابن ابوعلی کو حاکم بامراللہ کے لقب سے 'خلیفہ، بنایا گیا جس نے ۷۰۱ھ تک خلافت کی۔ ۶۶۷ھ میں اباقا نے سلطان مصر کے نام ایک سخت خط بھیجا جس میں اپنی اطاعت کا حکم دیا۔ الملک الظاہر نے بھی ویسا ہی سخت خط جواب میں لکھا جس کی وجہ سے حران اور اطراف و اکناف کی آبادیاں خطرے میں پڑگئیں۔ حران کے باشیوں نے تاتاری حملہ کے خوف سے پورا شہر خالی کردیا اور حلب، دمشق، حماۃ اور مصر کے شہروں کا رخ کیا۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے امام ابن تیمیہ کے والد اپنے خاندان کے ساتھ دمشق ہجرت کرگئے اور وہیں کی بود و باش اختیار کر لی۔

سوانح امام ابن تیمیہ :

امام ابن تیمیہ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ کو پیر کے دن حران میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کے ہوئے تھے کہ آبائی شہر کو چھوڑنا پڑا۔ خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ دمشق آئے جو ملک شام کی ولایت کا پایہ تخت اور ایک انتہائی اہم علمی مرکز تھا۔ آپ کی تعلیم کا سلسلہ حران ہی میں شروع ہوچکا تھا جس کی تکمیل دمشق میں ہوئی۔ کمسنی کے باوجود آپ کو کھیل کود

سے رغبت نہ تھی اور اپنا زیادہ تر وقت علمی مشاغل میں صرف کیا کرتے تھے۔ دس سال کی بھی عمر نہ ہونے پائی تھی کہ نحو، صرف اور ادب وغیرہ سے فراغت حاصل کرلی۔ تفسیر، حدیث، اصول اور فقہ میں ۱۷ یا ۱۹ سال کی عمر میں ھی اتنا کمال حاصل کر لیا کہ قاضی شیخ شرف‌الدین المقدسی الشافعی (المتوفی ۶۹۴ھ) نے آپ کو فتوی دینے کی اجازت دیدی۔ آپ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ھے کہ آپ کا علم کس قدر وقیع اور آپ کی فکر کس قدر عمیق تھی۔ آپ کے متعلق یہ یقیناً صحیح بیان کیا جاتا ھے کہ آپ نے اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کی تحصیل کی تھی۔ آپ کو لغت و نحو میں مہارت حاصل تھی، ایام جاھلیہ اور دور نبوت و صحابہ کے حالات و واقعات سے مفصل طور پر آگہی تھی، اسلامی تاریخ کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا، قرآن مجید کے ایسے حافظ تھے کہ بتا سکتے تھے کہ فلاں لفظ اتنی مرتبہ اور اس اس جگہ پر آیا ھے اور تقریباً یہی حال حدیث کا تھا (یہاں تک کہ بعض اصحاب کا کہنا تھا کہ اگر کوئی حدیث ابن تیمیہ کے علم میں نہیں تو وہ حدیث ھی نہیں ھو سکتی!)، تفسیر آپکا محبوب موضوع تھا اور فرماتے ھیں کہ میں نے چھوٹی بڑی ملا کر سو سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ فقہ و اصول میں کمسنی ھی میں ایسی مہارت حاصل کی کہ فتوی دینے کی اجازت حاصل کرلی۔ حساب و ریاضی کی طرف بھی متوجہ ھوئے اور اساتذہ فن سے ان علوم کو حاصل کیا۔ آپ نے کتابت و خوشنویسی بھی فن کے ماھرین سے سیکھی۔ چنانچہ جب آپ کے والد شیخ عبد الحلیم ابن تیمیہ کا انتقال ھوا تو ان کی جگہ آپ ھی شیخ الحدیث مقرر ھوئے اور ۲ محرم ۶۸۳ھ میں درس و تدریس کا وہ سلسلہ شروع کیا جو ۴۰ سال تک مسلسل جاری رھا۔ اسی سال سے آپ جامع اموی میں جمعہ کے دن وعظ بھی دینے لگے۔ آپ کے علم و فضل کا شہرہ اس قدر ھوا کہ سات سال

کے اندر ہی حکومت وقت نے قضاء کا عہدہ پیش کیا جسے آپ نے قبول نہیں کیا۔ آپ کے قبول نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ حنبلی قاضی کو خاص طور پر نصیحت کی جاتی تھی کہ صفات باری کے مسئلہ میں ظواہر آیات و احادیث کے مطابق فتوی نہ دیں بلکہ متاخرین اشاعرہ کے مسلک کے مطابق فتوی دیں یا خاموشی اختیار کریں۔ آپ آبائی طور پر حنبلی فقہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن خود حنبلی فقہ کی بھی پابندی سے اتباع نہیں کرتے تھے لہذا اس کا سوال ہی نہ تھا کہ اپنے آپ کو شافعی فقہ کا پابند بنالیں۔ ۶۹۸ھ میں آپ کے خلاف پہلی تحریک ہوئی۔ وجہ نزاع وہی صفت باری کا مسئلہ تھا۔ آپ نے جامع اموی میں جمعہ کے خطبہ میں تفسیر قرآن کے ضمن میں اس مسئلہ پر اپنے خیالات کا آزادانہ اظہار کیا۔ مصر و شام میں شافعیوں کی بڑی کثرت تھی اور حکومت کے بڑے بڑے عہدے انہیں حاصل تھے۔ حنابلہ کو اپنے عقائد کے پیش کرنے کی اجازت نہیں تھی اور اگر کوئی مسلمہ اشعری عقیدے کے خلاف کچھ کہتا تھا تو اس کی سخت گرفت کی جاتی تھی۔ چنانچہ شافعیوں نے آپ کے خلاف زبردست شورش کی لیکن خود ان کے قاضی القضاۃ شہاب‌الدین ابو عبداللہ محمد ابن شمس‌الدین (المتوفی ۶۹۳ھ) نے امام ابن تیمیہ کی حمایت کی جس سے شورش تو دب گئی لیکن اندر ہی اندر پکتی رہی۔ بہر حال ہم یہاں مختصر طور پر اس مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں جو امید کہ قارئین کرام کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

قرآن مجید میں آیا ہے کہ اللہ آسمانوں میں ہے (سورہ ملک ۱۶ اور ۱۷)۔ اسی طرح قرآن اور دیگر صحائف کے نزول یعنی اتارے جانے کا کئی جگہ ذکر ہے (مثلاً آل عمران ۳ اور ۷، نساء ۱۳۶ اور ۱۴۰، اعراف ۱۹۶، فرقان ۱، اور زمر ۲۳، وغیرہ)۔ کئی جگہ اس کا ذکر ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کے بعد عرش پر قائم ہوگیا (اعراف ۵۴، یونس ۳، رعد ۲، فرقان ۵۹، سجدہ ۴، اور حدید ۴ میں آیا ہے:

''ثم استوی علی العرش''* - طٰہٰ ۵ میں ہے : ''الرحمن علی العرش استوی'') - اللہ نے اپنے آپ کو عرش والا بتایا ہے (مثلاً مومن ۱۵، تکویر ۲۰، اور بروج ۱۵) - علاوہ ازیں جابجا اعضائے خداوندی کا بھی ذکر آیا ہے - انمیں چہرہ کا ذکر ہے (بقرہ ۱۱۵ اور ۲۷۲، رحمن ۲۷، روم ۳۸ اور ۳۹، لیل ۲۰، رعد ۲۲، دھر ۹، وغیرہ)، آنکھ کا ذکر ہے (مثلاً طٰہٰ ۳۹) ہاتھ کا ذکر ہے (فتح ۱۰، مائدہ ۶۴، آل عمران ۷۳ وغیرہ) - سیدھے ہاتھ (یمین) کا ذکر ہے (زمر ۶۷ - حاقۃ ۴۵) - نفس کا ذکر ہے (مثلاً آل عمران ۲۸ اور ۳۰)، وغیرہ - ساتھ ہی ایک بات یہ بھی کہہ دی گئی ہے کہ ''لیس کمثلہ شیٔ''، یعنی ''اس کے مانند کوئی چیز نہیں''، (شوریٰ ۱۱) -

جب ایرانی، شامی، مصری، اور رومی حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو وہ اپنے ساتھ متکلمانہ اور فلسفیانہ خیالات و ذہن بھی لائے - چنانچہ اب یہ بحثیں چھڑ گئیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ٹھہرا یا نہیں - انسان اپنے اعمال پر قادر ہے یا نہیں - اور اگر نہیں ہے تو جزا و سزا چہ معنی ؟ صفات الٰہی عین ذات الٰہی ہیں یا غیر ذات ہیں ؟ اگر اللہ کے آنکھ اور ہاتھ وغیرہ ہیں تو جسمیت لازم آتی ہے اور اگر جسم ہے تو حادث ہے اور اسی طرح عرش وغیرہ پر قائم ہونا جسمیت پر دلالت کرتا ہے اور اس طرح حدوث لاحق ہوتا ہے وغیرہ - تمام مسائل کا آسان حل تاویل میں مل گیا - اب چہرہ سے مراد مرضی، آنکھ سے مراد علم اور ہاتھ سے مراد قدرت ہوگیا - استوی کی تاویل ایام جاہلیہ کے شاعر اخطل کے ایک شعر :

قد استوی بشر علی العراق من غیر سیف و دم مہراق

---

(۱) عرش کے معنی کے لئے دیکھئے سورۃ یوسف ۱۰۰ اور سورۃ نمل ۲۳ اور ۲۶ جہاں اس کے معنی تخت کے ہیں - ''استوی''، تین طرح سے استعمال ہوا ہے - ایک مطلق جیسے سورۃ قصص ۱۴، دوسرا ''الی''، کے صلہ کے ساتھ جیسے بقرۃ ۲۹ اور فصلت ۱۱، تیسرا استعمال ''علی'' کے صلہ کے ساتھ ہے جیسے سورہ اعراف ۵۴، یونس ۳ رعد ۲ وغیرہ اس تیسرے استعمال میں اس کے معنی درازہونے، سوار ہونے، ٹھہرنے، قرار پانے اور قائم ہونے (اور بعض اصحاب کے نزدیک متوجہ ہونا) کے ہیں -

(بے شک بشر ابن مروان نے عراق پر بغیر کسی تلوار اور خون بہائے قبضہ کرلیا) سے کی جانے لگی۔ اس کے برعکس مسلمان ائمہ کا جو رویہ رہا ہے اس کی ترجمانی امام مالک کے اس مشہور قول سے ہوتی ہے : الاستواء معلوم و الکیف مجہول والایمان بہ واجب و السوال عنہ بدعة۔ بہر حال امام ابن تیمیہ کا زمانہ آتے آتے صفات باری اور جہت خداوندی کے متعلق مسلمانوں میں چار مکتب خیال پیدا ہوگئے۔ ایک تو وہی ہے جو صفات و جہت کا قائل ہے اور ان کے معانی میں کسی حذف و اضافہ، تغیر و تبدل اور توجیہ و تاویل کی مطلق اجازت نہیں دیتا اور جس کا کہنا ہے کہ قرآن و سنت سے جتنی صفات کا ثبوت ہو خواہ وہ ذاتی صفات میں شمار ہوتی ہوں خواہ فعلی میں ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ تمام محدثین کرام اور حنابلہ اسی مکتب فکر کے ہیں۔ امام ابو حسن اشعری اور امام ابن خزیمة کا بھی یہی مسلک ہے۔

دوسرا مکتب خیال وہ ہے جس کے نزدیک صفات باری اور جہت خداوندی سے متعلق آیات و احادیث ان متشابہات میں سے ہیں جن کے معانی اللہ کے سوا کسی اور کو معلوم نہیں۔ اکثر متکلمین متاخرین کا یہی مسلک ہے۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو صفات و جہت کا منکر ہے۔ صفات کو عین ذات گردانتا ہے اور ان آیات کا مطلب جن میں جہت یا اعضاء وغیرہ کا ذکر ہے تاویل سے متعین کرتا ہے۔ اکثر معتزلہ اسی خیال کے حامی رہے ہیں۔ چوتھا گروہ وہ ہے جو جہت خداوندی کا انکار کرتا ہے ، صفات کو نہ تو عین ذات مانتا ہے نہ غیر ذات ، اور ان آیات میں تاویل سے کام لیتا ہے جن میں ہاتھ وغیرہ کا ذکر ہے۔ یہ مسلک متاخرین اشاعرہ اور بعض ماتریدیوں کا ہے۔

امام ابن تیمیہ نے آگے چل کر اس مسئلہ پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ غالباً ۶۹۸ھ میں انہوں نے رسالة العقیدة الواسطیة تحریر کیا جس میں کتاب و سنت ، آثار صحابہ و تابعین اور اقوال ائمہ مجتہدین کی روشنی

میں اسلامی عقائد کی تشریح کی اور صفات خداوندی اور عرش وغیرہ کے متعلق اسی نتیجہ پر پہنچے جو امام احمد ابن حنبل اور امام اشعری کا عقیدہ تھا۔ ۶۹۸ھ میں رسالۃ العقیدۃ الحمویۃ الکبریٰ لکھا اس میں بھی اسی عقیدے کی حمایت کی اور متاخرین اشاعرہ کی غلطیاں ثابت کیں۔

دمشق میں حنابلہ کے دو بہت اہم مدرسے تھے۔ ان میں سے ایک تو دارالحدیث السکریۃ تھا جہاں عبدالحلیم ابن تیمیہ درس دینے پر مقرر تھے اور جہاں اب امام ابن تیمیہ درس دے رہے تھے۔ دوسرا مدرسۃ ابو عمرو تھا جسے دارالحدیث الحنبلیۃ بھی کہتے تھے۔ ابن تیمیہ نے ایک مدت تک یہاں تعلیم پائی تھی۔ یہیں شیخ الحنابلہ شیخ زین الدین ابن المنجی ایک زمانہ دراز تک درس دیتے رہے تھے۔ اور حنبلیوں کے سب سے بڑے عالم و مفتی شمار کئے جاتے تھے۔ ۶۹۵ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو امام ابن تیمیہ کا ان کی جگہ پر تقرر ہوا۔ امام صاحب ایک مدت تک یہاں تعلیم دیتے رہے۔

۶۹۸ھ میں نائب السلطنت حلب نے ماردین کی فتح کے لئے ایک دستہ روانہ کیا۔ یہاں سلطان نجم الدین کی حکومت تھی جو ترکی النسل اور قازان شاہ تاتار کا باجگزار تھا۔ جب قازان کو اس کی اطلاع ملی تو ایک زبردست لشکر لے کر شام پر چڑھائی کردی۔ ۶۹۹ھ میں الملک الناصر بھی ایک بڑا لشکر لے کر قاہرہ سے دمشق آگیا۔ سلمیۃ اور حمص کے درمیان وادی خزندار میں جنگ ہوئی اور تاتاریوں کو زبردست فتح حاصل ہوئی۔ الملک الناصر بچی کھچی فوج کے ساتھ قاہرہ واپس ہوگیا اور شام تاتاریوں کے قدموں میں آپڑا۔ دمشق کے بڑے بڑے لوگ شہر چھوڑ کر مصر فرار ہونے لگے۔ نائب قلعہ ارجواش کے سوا شہر میں کوئی حاکم باقی نہ رہا۔ یہ حال دیکھ کر اعیان شہر نے مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ امام ابن تیمیہ کی سرکردگی

میں عمائدین شہر کا ایک وفد قازان سے ملاقات کرنے اور دمشق کے لئے پروانہ امن کے حصول کی کوشش کرے۔ اس وفد نے بعلبک کے قریب قازان سے ملاقات کی۔

ابن تیمیہ نے اس قدر دلیری اور بے باکی سے گفتگو کی کہ قازان بہت متعجب و متاثر ہوا۔ جب قازان کے حکم سے وفد کے لئے دسترخوان چنا گیا تو سب نے کھانا شروع کر دیا لیکن ابن تیمیہ نے صاف انکار کر دیا۔ اور وجہ دریافت کرنے پر کہا کہ میں یہ کھانا کیسے کھا سکتا ہوں جب کہ اس کو لوٹ کے مال سے تیار کیا گیا ہے۔ چونکہ دمشق کے لئے امیر سیف الدین قبچاق پہلے ہی امن کا پروانہ حاصل کر چکا تھا ابن تیمیہ نے قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ اٹھایا اور تمام قیدیوں کو جن میں یہود و نصرانی بھی تھے چھڑوانے میں کامیاب ہوگئے۔

۱۴ ربیع الاخر ۶۹۹ھ کو جمعہ کے دن دمشق کی جامع مسجد میں قازان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس سے قبل پروانہ امن پڑھا جا چکا تھا۔ لیکن تاتاریوں اور ان کے حلیفوں نے قتل و غارت اور لوٹ کا سلسلہ بڑے پیمانہ پر شروع کیا۔ چار سو سے زائد آدمی صرف ایک محلہ کے مارے گئے اور چار ہزار قیدی بنا لئے گئے۔ اس کی روک تھام میں ابن تیمیہ نے اہم کردار ادا کیا۔ تاتاریوں کے شیخ الشیوخ کے ساتھ شہر میں گشت لگایا اور مظالم بند کرائے۔ شہر میں صرف قلعہ تاتاریوں کی زد سے باہر تھا۔ انھوں نے کئی مرتبہ اسے لینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ امام ابن تیمیہ راتوں میں ہتھیار باندھ کر فصیل کے گرد چکر لگایا کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتے جاتے تھے۔ مجاھدین کی ہمت افزائی بھی کرتے اور ان کو صبر کی تلقین بھی۔ تاتاری پایہ تخت میں حالات کی کروٹ نے قازان کو واپسی پر مجبور کر دیا۔ شام پر سیف الدین قبچاق منصوری کو معمور کرکے قازان تبریز واپس ہوگیا۔

حالات نے جلد ہی پلٹا کھایا اور قبچاق سلطان مصر سے مل گیا۔ ۲۷ رجب ۶۹۹ھ کو جمعہ کے دن جو خطبہ دیا گیا اس میں قازان کے بجائے پھر سے سلطان مصر کا نام لیا گیا اور اہل دمشق نے بڑی خوشی منائی۔ اس دن امام ابن تیمیہ نے شراب کی ساری دوکانیں بند کروادیں اور احکام شرعی کی پابندی کی تلقین کی۔

۷۰۰ھ کے اوائل میں تاتاری لشکر کے حملہ کی افواہ اڑنے لگی۔ ابن تیمیہ نے ۲ صفر کو جمعہ کے وعظ میں جہاد سے متعلق ایک زور دار تقریر کی جس میں شہر چھوڑنے سے منع فرمایا اور ملک کی حفاظت کے لئے جان و مال پیش کرنے کی تلقین کی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ انھوں نے اس سلسلہ میں تقریریں کیں اور لوگوں کو جہاد کی طرف راغب کیا۔ جب تاتاری لشکر حلب کے قریب آیا تو لوگ شہر خالی کرنے لگے۔ خود والی بھی اپنی فوج سمیت حماۃ چلا آیا۔ ابن تیمیہ مرج الصفر تشریف لے گئے اور مجاھدین کے سامنے جوشیلی تقریریں کر کرکے ان میں شوق جہاد کو دوبالا کردیا۔ نائب الشام امیر افرم نے ابن تیمیہ کو قاھرہ جانے اور الملک الناصر کو جہاد کی ترغیب دینے کے لئے کہا۔ الملک الناصر قاھرہ سے اپنی فوج کے ساتھ رملہ کے قریب تک آیا تھا لیکن بارش کی کثرت سے راستوں کے خراب ھوجانے کو بہانہ بنا کر قاھرہ واپس ھوگیا تھا۔ امام ابن تیمیہ قاھرہ پہنچے اور سلطان سے ملاقات کی اور اسے جہاد کے لئے آمادہ کیا۔ وہ قاھرہ ایک ھفتہ ٹھہرے اور علماء اور عمائدین سلطنت سے ملاقات و گفتگو کی اور انھیں بہت متاثر کیا۔ ابو حیان نحوی اندلسی ان سے اس قدر متاثر ھوئے کہ ان کی تعریف میں ایک زور دار قصیدہ ھی لکھ ڈالا۔ قبل اس کے کہ لشکر روانہ ھوتا قازان نے برف باری کی شدت دیکھتے ھوئے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیدیا۔ مصر سے واپسی پر امام ابن تیمیہ نے عامۃ المسلمین کے لئے ایک رسالہ تحریر کیا جس میں انھیں دعوت جہاد دی۔ اس رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس وقت کے حالات

اور جنگ احزاب میں موازنہ کیا گیا تھا اور مسلمانوں کی شکست کے اسباب بیان کئے گئے تھے نیز یہ بات بتائی گئی تھی کہ شکست کو کیونکر فتح میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

۷۰۲ھ میں قتلغشاہ کی سپہ سالاری میں تاتاری فوج نے پھر پیشقدمی کی۔ مسلم افواج دمشق کے قریب جمع ہوئیں اور شہر سے چند میل کے فاصلہ پر کسوۃ کے قریب پل پر پڑاؤ کیا۔ ۲ رمضان کو باقاعدہ جنگ شروع ہوئی۔ ابن تیمیہ نے اس جنگ میں جس دلیری سے شمشیرزنی کی اس نے انہیں بجا طور پر صاحب سیف کہلائے جانے کا حق عطا کیا۔ جنگ کے دوسرے ہی دن تاتاریوں کو شکست نصیب ہوئی اور ان کے ہزاروں آدمی مارے گئے۔ اس جنگ کو واقعہ شقحب کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ستر ہزار کے قریب تاتاری مارے گئے تھے۔ اس جنگ نے تاتاریوں کا زور توڑ دیا اور ان میں شام و مصر پر پھر حملہ کرنے کی ہمت نہ پیدا ہو سکی۔

— — — —

صوفیوں کا ایک سلسلہ رفاعیۃ بھی تھا جس کے بانی شیخ ابو العباس احمد ابن علی ابن احمد ابن یحیی ابن حازم ابن علی ابن رفاعۃ (المتوفی ۵۷۸ھ) تھے۔ آپ ایک صالح بزرگ تھے (جن کے متعلق طرح طرح کی حکایات بعد میں بہت مشہور ہوگئیں) لیکن ان کے پیروؤں نے اپنے آپ کو ایک مستقل گروہ بنالیا تھا۔ سیاہ رنگ کا کپڑا پہنتے، ہاتھوں اور گلوں میں لوہے کی زنجیریں ڈالے رہتے تھے۔ نہ نماز کی فکر تھی نہ روزے کی پابندی۔ دیگر شرعی احکام سے بھی غافل ہی معلوم ہوتے ہیں۔ عوام پر اثر ڈالنے کے لئے طرح طرح کے شعبدے دکھاتے تھے۔ جن میں زندہ سانپوں کو بظاہر نگل جانا اور دھکتی ہوئی آگ میں کود پڑنا بھی شامل تھے۔ امام ابن تیمیہ نے مسلمانوں کی ان سے گلو خلاصی کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے تقریر و تحریر میں یہ بتایا کہ شیخ

احمد رفاعی فی الواقعہ کون تھے ، ان کا کیا حال تھا اور اب اللہ کے ماننے والوں کا کیا حال ہے ۔ ان کے پیرو اللہ کے عقائد و اعمال سے کس قدر دور چلے گئے ہیں اور ان میں حق و باطل کی کس قدر آمیزش ہوچکی ہے ۔ ۷۰۵ھ میں کچھ فقراء رفاعیہ نے نائب الشام امیر افرم کے پاس امام صاحب کی شکایت کی ۔ امیر افرم امام صاحب کو تاتاری جنگوں میں اچھی طرح دیکھ چکا تھا اور ان کا گرویدہ ہو گیا تھا ۔ اس نے امام صاحب کو اور رفاعی شیخ دونوں کو دارالعدل میں بلایا ۔ اور حکم دیا کہ مناظرہ ہو ۔ رفاعی کیا بحث کرتے ۔ اپنی آگ میں کود پڑنے وغیرہ کی ''کراماتیں،، گنانی شروع کیں ۔ امام صاحب نے دعوی کیا کہ وہ بھی آگ میں کود پڑیں گے اور وہ سب کر دکھائیں گے جو کوئی رفاعی کر سکتا ہے ۔ صرف شرط یہ لگائی کہ دونوں کے جسم سرکہ اور گرم پانی سے خوب اچھی طرح دھوئے جائیں ۔ اس کی وجہ آپ نے یہ بتائی کہ یہ لوگ مینڈک کی چربی، نارنگی کے اندرونی چھلکے اور طلق کے پتھر وغیرہ کی لیپ بدن پر کر لیتے تھے جس کے باعث آگ کا اثر ان کے جسموں پر نہیں ہوتا تھا ۔ اس بیان سے امام صاحب کی سائنسی معلومات کا حال بھی معلوم ہوتا ہے ۔ شیخ رفاعی بالآخر مجبور ہوا اور رفاعیوں نے برے کاموں سے توبہ کی اور شریعت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا ۔

یہ ایک زبردست مناظرہ تھا جس میں عوام رفاعیوں کی مکمل فتح پہلے سے مانے بیٹھے تھے لیکن جب ابن تیمیہ نے انہیں عاجز کردیا تو آناً فاناً ان کی شہرت مصر و شام میں پھیل گئی ۔ ان کی یہ شہرت و منزلت علماء کرام، کو لیکن نہ بھائی ۔ مصر کے ایک مشہور عالم اور صوفی شیخ نصر ابن سلیمان المنجی (المتوفی ۷۰۹ھ) کو وحدۃالوجود کے مسئلہ میں امام ابن تیمیہ سے پہلے ہی پرخاش ہو چکی تھی ۔ انھیں امام صاحب کی رفاعیوں کی مخالفت بہت ناگوار گذری ۔ انھوں نے وہ عقائد کا مسئلہ جو ۶۹۸ھ میں اٹھ کر دب چکا تھا دوبارہ زندہ کیا ۔ امیر بیبرس جاشنگیر، جو الملک الناصر کے پردے میں

سلطانی کر رہا تھا، شیخ نصر کا مرید تھا۔ شیخ نے امام صاحب کو بدعقیدہ بتایا اور ان سے اس کے متعلق باز پرس کرنے کے لئے کہا۔ امیر نے سلطان سے نائب الشام کے نام فرمان لکھوایا کہ دمشق کے قضاۃ، علماء و فقہاء کو جمع کرکے ابن تیمیہ کے عقائد کی تحقیق کرے اور حکومت کو اس کے نتیجے سے باخبر کرے۔ چنانچہ رجب و شعبان ۷۰۵ھ میں تین طویل نشستوں میں ان کے عقائد زیر بحث آئے۔ ان مناظروں کی جو اطلاعات ہم تک پہنچی ہیں ان سے نہ صرف امام ابن تیمیہ کی وسعت علم کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان کے مخالفین کی علمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ امام صاحب کے بیانات طبع زاد ہیں حتیٰ کہ اس وقت بھی وہ اپنے اجتہاد ہی سے کام لے رہے ہوتے ہیں جب کہ کسی امام کے قول کا ذکر ہو۔ اس کے بر عکس مخالفین وہی کہہ رہے ہوتے ہیں جو بہت پہلے سے کتابوں میں منقول چلا آتا ہے۔ مناظرہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بغیر کسی نتیجہ پر پہنچے ہی ختم ہو گیا۔ نائب الشام نے ایک تفصیلی روداد مرتب کر کے مصر روانہ کی جس کے نتیجہ میں فرمان سلطانی میں امام صاحب کو سلف کے مذہب پر تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن مخالفین کی اس سے تسکین نہ ہوئی اور انہوں نے کوشش کی کہ انہیں مصر بلوا کر ان کے عقائد کا اظہار لیا جائے۔ جب وہ قاہرہ پہنچے تو ان پر مالکی قاضی القضاۃ شیخ زین الدین علی ابن مخلوف کی عدالت میں مقدمہ قائم کیا گیا۔ ابن مخلوف امام صاحب کے مخالفین میں سے تھے اور جب ابن تیمیہ نے استغاثہ کے جواب میں اپنی تقریر کا آغاز حمد و ثنا سے شروع کیا تو انہیں ملزم کی حیثیت میں صرف استغاثہ کا جواب دینے کا حکم ملا۔ امام صاحب نے حالات کا اندازہ کرتے ہوئے جواب دینے سے انکار کر دیا اور آپ کو قید کی سزا سنادی گئی۔ ساتھ ہی فرمان شاہی کا اجرا ہوا جسے دمشق میں جامع مسجد میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اس میں امام صاحب کے متعلق تحقیری الفاظ استعمال کئے گئے تھے اور ان کے عقائد کو باطل قرار دیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں یہ اعلان

کیا گیا کہ جو شخص ان عقائد کی تبلیغ کرے گا اسے قتل کر دیا جائے گا اور اس کا سارا مال و اسباب ضبط کر لیا جائے گا۔ مخالفین کو بظاہر کامیابی ہوگئی تھی۔ لیکن امام صاحب کے معتقدین بھی کم یا کم پایہ کے اصحاب نہ تھے۔ چنانچہ آپ کے قید ہوتے ہی آپ کی رہائی کے لئے کوششیں شروع ہو گئیں۔ امیر سیف‌الدین سالار، نائب مصر، بھی آپ کے حامیوں میں تھا اور ۷۰۶ھ میں اس نے کئی مرتبہ اس کی کوشش کی کہ امام صاحب اور مخالف علماء میں مصالحت ہو جائے۔ لیکن مخالف گروہ اپنی سیاسی قوت و فتح کی گھمنڈ میں اور امام صاحب اپنے حق پر ہونے کے جائز گمان میں اپنے اپنے موقف سے ہٹنے پر تیار نہ ہوئے اور اس طرح نائب مصر کی کوششیں بار آور ثابت نہ ہوئیں۔

۷۰۷ھ کے اوائل میں امیر عرب حسام‌الدین مہنا ابن عیسی (المتوفی ۷۳۰ھ) جو امام صاحب کا بڑا معتقد تھا قاہرہ آیا اور اس نے اراکین سلطنت سے ان کی رہائی کے مسئلہ پر گفت و شنید کی۔ نائب مصر کے گھر پر ایک نشست ہوئی جس میں قاضیوں و فقیہوں اور امام صاحب کے مابین عقائد پر تبادلہ خیال ہوا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا کیونکہ مخالفین بحث کرنے کے بجائے اس محضر پر دستخط کروانے آئے تھے جسے قاضی ابن مخلوف نے تیار کیا تھا اور جس میں امام صاحب کو اپنے عقیدہ کے برخلاف اعلان کرنا تھا۔ سلطان مصر نے دوسری نشست کا حکم دیا لیکن اس میں تمام مدعو قاضیوں نے ناسازی مزاج وغیرہ کا بہانہ کیا اور حاضر نہ ہوئے۔ اس کے بعد ایک نشست ہوئی جس میں طویل بحث ہوئی لیکن اکثر راویوں کے بیان کے مطابق کوئی فیصلہ نہ ہو پایا۔ قید خانہ سے امام صاحب پہلی مجلس کے بعد ہی رہائی پاچکے تھے اور حنبلی شیخ تقی‌الدین ابو حفص عمر ابن عبداللہ الحرانی کے گھر مہمان تھے۔ اس طرح ایک طرف امام صاحب کو رہائی مل گئی اور دوسری طرف مخالفین بھی اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

امام صاحب کو قاہرہ میں آزادی کا سانس لینے اور مصریوں کو درس دیتے چند ماہ ہی گذرے تھے کہ صوفیوں کے دو گروہوں نے آپ کے خلاف زبردست شورش کی جس کے نتیجہ میں ۷۰۷ھ میں دوبارہ قید کئے گئے۔ اگلے سال حالات اور خراب ہوگئے کیونکہ الملک الناصر تخت سے دستکش ہو گیا اور نائب السلطنت بیبرس جاشنگیر شوال ۷۰۸ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ ۷۰۹ھ کے اوائل میں آپ کو قاہرہ سے اسکندریہ تبدیل کردیا گیا۔ اسی سال رمضان کے ماہ میں الملک الناصر نے ایک زبردست فوج جمع کی اور مصر کی طرف بڑھا۔ بیبرس نے خبر ملتے ہی راہ فرار اختیار کی لیکن غزہ کے جنگلوں میں پکڑا گیا اور سلطان کے حکم سے قتل کردیا گیا۔ الملک الناصر نے فوراً امام صاحب کی رہائی اور اعزاز و احترام کے ساتھ قاہرہ کو واپسی کا حکم صادر کیا۔ امام موصوف قاہرہ واپس آئے اور سلطان کے ایما پر وہیں قیام کیا، اور درس و تدریس اور تالیف و تصنیف کا از سر نو سلسلہ شروع کیا۔ ۷۱۲ھ میں دمشق واپس آئے اور زندگی کے آخری ایام وہیں بسر کئے۔

۷۱۸ھ میں آپ کے خلاف پھر ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوا جس کا تعلق ان کے طلاق سے متعلق فتووں سے تھا۔ حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک تین طلاقیں صرف اس صورت میں طلاق بائن کا درجہ حاصل کرتی تھیں جب کہ وہ مختلف اوقات میں دی گئی ہوں۔ حضرت عمر نے یہ دیکھتے ہوئے کہ لوگ غصہ میں ایک ساتھ تین طلاقیں دے رہے ہیں آپ نے بطور سزا ان طلاقوں کو بائن قرار دیدیا۔ طلاق بائن کے بعد نہ رجوع ممکن ہے نہ نکاح۔ نکاح صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ عورت کا کسی اور مرد سے اس درمیان میں نکاح ہوا ہو اور خلوت صحیحۃ واقع ہوئی ہو۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ چنانچہ جب ایک ہی نشست میں طلاق بائن ہونے لگی تو اس کی ضرورت پیش آئی کہ کوئی مرد نکاح و خلوت کے بعد طلاق دے کر مطلقہ

کو پہلے شوہر کے لئے قابل نکاح بنادے ۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل اور محلل لہ پر لعنت بھیجی ہے جب لوگوں کی ضمیر پر اخلاقی گرفت باقی نہ رہی تو بعض لوگ شوہروں سے پیسے لے کر یا محض خلوت کی خاطر مطلقہ عورت سے نکاح اور خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دینے لگے ۔ یہ کام اسقدر عام ہو گیا کہ محللین کا ایک پیشہ ور گروہ پیدا ہوگیا ۔ آپ نے جب اس مسئلہ پر غور کیا اور ان احادیث کو پرکھا جن کی بنیاد پر ایک نشست کی تین طلاقوں کو طلاق بائن مانا جارہا تھا تو آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب ناقابل قبول ہیں ۔ چنانچہ انھوں نے ایک مدلل فتوی جاری کیا کہ ایک نشست کی طلاقیں بائن نہیں اور شوہر اگر چاہیں تو مطلقہ عورتوں کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لے سکتے ہیں ۔ اسی طرح کا ایک اور مسئلہ تھا ۔ اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھالے اور پھر اس کام کا مرتکب ہو تو کتاب و سنت کے حکم کے مطابق اس کو کفارہ ادا کرنا ہوگا ۔ اسی اصول کے مطابق اگر کوئی شخص کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھالے اور پھر اس کا مرتکب ہو تو اس کے متعلق عام علماء کا یہ خیال تھا کہ اس فعل کے ارتکاب سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، وہ کفارہ ادا کرکے طلاق سے نہیں بچ سکتا ۔ لیکن امام ابن تیمیہ نے یہ رائے قائم کی کہ ایسا شخص قسم کا کفارہ ادا کرکے طلاق سے بچ سکتا ہے ۔ امام صاحب کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم کا بیان ہے کہ امام ابن تیمیہ نے اس مسئلہ میں کئی رسائل لکھے جن کے اوراق کی مجموعی تعداد تقریباً دو ہزار تھی اور ان رسائل میں کتاب و سنت ، اقوال صحابہ، قیاس اور قواعد امام ابن حنبل و دیگر ائمۃ سے تقریباً چالیس دلیلیں اپنے موقف پر قائم کی تھیں ۔ ان فتووں کی وجہ سے تحلیل کا بازار سرد پڑ گیا اور محللین حضرات کی آمدنی بند ہونے لگی ۔ فقہائے وقت بھی ناراض ہوئے ۔ بالاخر سلطان تک شکایت گئی اور شاہی فرمان جاری ہوا کہ آیندہ سے امام صاحب کوئی فتوی نہ دیا کریں ۔ لیکن امام صاحب نے اپنا موقف یہ قائم کیا کہ سوال

کی صورت میں حق کہنا ضروری ہے اور فتوی دیتے رہے۔ ۷۰۹ھ میں نائب الشام کی موجودگی میں سلطان کا فرمان دوبارہ پڑھا گیا اور امام صاحب کی حکم عدولی پر انہیں سخت ملامت کی گئی اور تاکید کی گئی کہ وہ آیندہ فتوی نہ دیں۔ ۷۲۰ھ میں ان کے حکم عدولی پر اڑے رہنے کے باعث تیسری مرتبہ قید کی سزا دی گئی۔ ۷۲۱ھ میں فرمان شاہی کے مطابق رہا کئے گئے اور پھر سکریہ اور حنبلیہ دارالحدیثوں میں درس دینے لگے۔

۷۲۶ھ میں آپ کے خلاف پھر شورش ہوئی۔ سترہ سال قبل آپ کے پاس استفتاء آیا تھا جس میں پوچھا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و صالحین کی قبروں کی زیارت کی نیت سے سفر کرے تو اس سفر میں نماز کا قصر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ یہ زیارت شرعی ہے کہ نہیں ؟ امام صاحب سے آنحضرت سے منسوب دو حدیثوں کے متعلق بھی دریافت کیا گیا تھا (ان احادیث میں سے ایک حدیث میں آپ نے فرمایا تھا کہ جو کوئی حج کرے اور میری زیارت نہ کرے وہ مجھ پر ظلم کرتا ہے اور دوسری حدیث میں یہ فرمایا کہ جو کوئی میرے مرنے کے بعد زیارت کرے وہ اس کے مانند ہے جو میری زندگی میں میری زیارت کرتا ہے)۔ امام ابن تیمیہ نے اپنے فتوے میں ان دونوں روایتوں کو وضعی قرار دیا۔ زیارت کی نیت سے سفر کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل کی رائے میں اس قسم کا سفر سفر معصیت ہے اور اس میں نماز کا قصر کرنا جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ممنوع سفر میں بھی قصر ممکن ہے۔ امام ابن تیمیہ نے شیخ ابو عبداللہ ابن بطہ کی کتاب الابانۃ الصغریٰ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ انبیاء و صالحین کی قبروں کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا بدعت ہے اور جو شخص بھی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ زیارت قبور بھی ایک عبادت ہے اور اس پر عمل کرتا ہے وہ سنت اور اجماع امت

کا مخالف ہے۔ امام ابن تیمیہ کے زمانے کے عام علماء و فقہاء کا یہ حال معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قلم عوام کو بدعات سے روکنے کے لئے مشکل ہی سے اٹھتا تھا لیکن اگر کوئی اصلاح کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا تھا تو اس کی اصلاحی کوششوں کے راستے میں روڑے ڈالنے کے لئے سب سے پہلے آجمع ہوتے تھے۔ ان لوگوں نے یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ امام ابن تیمیہ شفاعت رسول کے منکر ہیں اور صرف قبر نبوی کی زیارت کے لئے سفر کرنا حرام سمجھتے ہیں۔ علماء کی وجہ سے عوام بھی بدظن ہوگئے۔ نائب الشام نے ایک روداد تیار کی جس میں علماء کے الزامات کی فہرست تھی اور اسے سلطان کے پاس بھیج دیا۔ مصر میں اٹھارہ فقیہوں نے کفر کا فتوی صادر کردیا۔ کفر کی سزا قتل تھی لیکن سلطان امام صاحب کے عقائد و خیالات سے بخوبی واقف تھا لہذا اس نے قلعہ میں نظربند کر دینے کا حکم دیا۔ ۷۲۶ھ میں آپ چوتھی اور آخری مرتبہ قید ہوئے۔ اس قید میں بیس دنوں کی علالت کے بعد ذوالقعدہ ۷۲۸ھ میں قید حیات سے آزاد ہوگئے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔